© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.108, 2017 pp 51 - 62

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، جولائی۔ستمبر ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۸

# میرے بھی صنم خانے: فلسفہ وقت کے تناظر میں

روبینہ کوثر☆

**Abstract:**

Qurat-ul-Ain Haider wrote and published her novels after partition. So, partition has been her main theme to deal with in these novels. Writer cannot detach himself from his sorroundings. Qurat-ul-Ain couldn't separate herself from her sorroundings. She discusses the vicissitudes in the history of subcontinent as a personal tragedy. She defines the causes of that tragedy as well. In this novel she presents a fall of odh civilization philosophy of time is her favourite theme. She weaves this theme in her novel "Mera bhi Sanam khana" Man flows with time and reaches to unknown destinations. Time cannot be halted.

''میرے بھی صنم خانے''، (۱۹۴۹) قرۃ العین حیدر کا پہلا ناول ہے۔ جس میں اودھ کے روشن خیال جاگیردار گھرانوں کے جدید طرز فکر و عمل کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ ''میرے بھی صنم خانے'' قرۃ العین حیدر کا نقش اول ہے، چونکہ یہ ناول تقسیم ہندوستان کے بعد شائع ہوا اس لئے اس میں اودھ کی دم توڑتی ہوئی مشترکہ تہذیب بھی ہے اور آزادی حاصل کرنے کی تڑپ اور جدوجہد بھی، فرقہ پرستی کی مخالفت بھی اور طبقاتی کشمکش کا احساس بھی۔ ڈاکٹر خالد اشرف 'برصغیر میں اردو ناول' میں لکھتے ہیں۔

---

☆ شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج برائے خواتین فیصل آباد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



''قرۃ العین حیدر کے سبھی ناول تقسیم کے بعد شائع ہوئے ان میں سے اکثر میں موضوع کی یکسانیت نظر آتی ہے کیونکہ انہوں نے زیادہ تر اودھ کے جاگیردار معاشرے کے معاشی زوال، حال سے آسودگی اور احساس عدم تحفظ کو بھی بطور موضوع اپنایا ہے۔''(۱)

قرۃ العین حیدر کے ناول تقسیم ہند کے بعد شائع ہوئے اور زیادہ تر ان میں تقسیم ہند کے واقعات ہی کو موضوع بنایا گیا ہے، کیونکہ کوئی بھی فن کار اپنا تعلق اپنے معاشرے سے نہیں توڑ سکتا۔ جو کچھ اس کے ارد گرد ہو رہا ہو گا وہ انہیں واقعات کے گرد اپنی کہانی کا تانا بانا پروئے گا۔قرۃ العین حیدر بھی ان مصنفین میں سے ہیں جو معاشرہ سے اپنا تعلق نہیں توڑ سکی۔ اس لئے ان کی کہانیوں میں وہی فلسفہ نظر آتا ہے جو معاشرہ میں نمایاں تھا۔'میرے بھی صنم خانے' بھی ایک ایسے عہد کی عکاسی ہے جس میں ایک تہذیب دم توڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ کرواہاراج کے عالی نسب گھرانے : کنور عرفان علی، ان کے بچوں : پی چو، پولو اور رخشندہ (روشی) کی کہانی ہے۔کنور صاحب روشن خیال جاگیردار ہیں انہوں نے تینوں بچوں کو اعلیٰ تعلیم سے ہمکنار کیا ہے۔ تاہم وہ پرانی تہذیب کو بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں۔نو دولتیے اور متوسط طبقے کی اقدارِ حیات انہیں یکسر قبول نہیں۔کنور عرفان علی ایک ایسے فرد کے فکر کی عکاسی کرتے ہیں جو جدیدیت کو اپنانے کے لئے تو تیار ہیں لیکن پرانی اقدار پرانی سوچ اور پرانی تہذیب کو قطعاً بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ دنیا کی بے ثباتی اس دنیا کی ایک اٹل حقیقت ہے اس حقیقت کو کوئی چاہے مانے یا نہ مانے یہ دنیا ایک ٹوٹتے ہوئے خوابوں کا سلسلہ ہے جس میں خود اپنا وجود بھی ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اور قرۃ العین حیدر نے ہندوستان کے تاریخی اتار چڑھاؤ کو ذاتی المیہ کے طور پر لکھنے کی کوشش کی ہے تقسیم ملک کی وجہ سے ہندوستان میں ایک انقلاب آیا جو سب کچھ اپنے ساتھ بہالے گیا آخر اس کے کیا محرکات تھے آخر اس کی کیا وجہ تھی اس توڑ پھوڑ کے پیچھے کونسے عوامل کام کر رہے تھے ان سب کو چھوڑ کر قرۃ العین حیدر نے اس تاریخی المیہ کو ایک انفرادی المیہ کے طور پر دکھایا ہے۔ پروفیسر رضی عابدی لکھتے ہیں :

''قرۃ العین حیدر جس پرانی دنیا کا تصور پیش کرتی ہیں وہ ایک Idyll ہے ایک جنت ارضی ہے جس میں بچوں کی سی معصومیت ہے اس میں عہد وکٹوریہ کی سہل انگاری اور خوش باسی کی جھلک کہیں کہیں نظر آتی ہے جو گردش چمن تک پہنچتے پہنچتے Come into the garden,mand کی سی بے چینی میں بدل جاتی ہے''(۲)

''میرے بھی صنم خانے'' میں جہاں محبت کی بات ہے وہاں امنگ بھی نظر آتی ہے۔ اعتماد بھی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور انسان پرستی بھی اور یہاں تک کہ آزادی کے فلسفے کا تصور بھی ملتا ہے اور وقت کے فلسفے کا تصور بھی دکھائی دیتا ہے۔

یونیورسٹی کے چند نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جو ہر مذہب اور قومیت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن سب اعلیٰ طبقہ سے ہیں قوم کی بہبود کے لئے بڑے بڑے عزائم رکھتے ہیں اور ان کے حصول کے لئے جدوجہد بھی کرتے ہیں۔ یہ گروپ لوگوں کی ذہنی اور جذباتی تربیت کے لئے ایک رسالہ بھی نکالتا ہے سماجی کاموں میں بھی پیش پیش ہیں۔ یہ زبردست قوم پرست بھی ہیں لیکن جب آزادی محض ایک جذبہ اور ایک خیال نہیں رہتی بلکہ ایک حقیقت بن کر سامنے آتی ہے تو نہ صرف قومیت کا تصور درہم برہم ہو جاتا ہے بلکہ خود آزادی کی حقیقت بھی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ New Era کی سب جدوجہد بے کار ہو جاتی ہے آزادی اپنے ساتھ صرف قتل و غارت لے کر آئی، تعصب لائی پر جوش تقریریں اور بلند بانگ ارادے یہ سب حماقتیں ایک فریب معلوم ہوئے

''مختلف قسم کے امدادی فنڈ کا سیلاب آ گیا وہ سب پچھلے برسوں میں جنگ کے زخمیوں اور بنگال کے قحط زدہ انسانوں اور آئی این اے کے سپاہیوں کے لئے کام کرتے کرتے اکتا چکے تھے۔ اب ان کے سامنے روپے اور طبی امداد اور انتھک محنت کا مطالبہ تھا (کیونکہ انسانیت دم توڑ رہی تھی)۔'' (۳)

یہی صورتحال تہذیب کی ہے جو دم توڑ رہی ہے بکھر رہی ہے اس کے ٹوٹ جانے کا اتنا دکھ ہے آخر وہ تھی کیا؟۔ تہذیبی زوال کوئی کم صدمے والی بات نہیں ہے تہذیبوں کے مٹنے سے قومیں مٹ جاتی ہیں فنا ہو جاتی ہیں۔ اردو ادب کی ناول نگار نیلم فرزانہ لکھتی ہیں:

''قرۃ العین حیدر کا داستان طراز ذہن اسی تہذیبی زوال کو اپنا موضوع قرار دیتا ہے جو بات قرۃ العین حیدر کو اپنے ہم عصر فکشن نگاروں میں ممتاز و منفرد کرتی ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے ادیبوں نے جس طرح ماضی سے قطع نظر کر کے صرف حال کو اپنا مطمع نظر قرار دیا وہاں قرۃ العین حیدر نے ماضی کو ایک حقیقت تسلیم کیا اور اپنے حال اور مستقبل سے اس طرح مربوط کیا کہ ان کی یہ کوشش اردو فکشن میں ایک اجتہادی کوشش بن گئی اس طرح انہوں نے وقت کے تجربے (Time Experience) کو پہلی بار وسیع کینوس عطا کیا، قرۃ العین حیدر کے اس رویے کو ہی میں نے تاریخی حقیقت نگاری سمجھا ہے''۔ (۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تقسیم سے پیدا ہونے والی صورت حال نے جس طرح انسانی ذہنوں کو متاثر کیا اور جس طرح وہ اضطراب سے دوچار ہوئے۔ قرۃ العین حیدر کے ناول اس ذہنی اضطراب کو بیان کرتے ہیں۔ مصنفہ کے ذہن پر ان واقعات کا گہرا اثر پڑا جس کی عکاسی انہوں نے اپنے پہلے ہی ناول 'میرے بھی صنم خانے' میں کی۔ تقسیم ہند کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے کہ جس نے کسی بھی انسانی ذہن پر اپنا اثر نہ چھوڑا ہو۔ تقسیم ہند کے بعد سرحد کے دونوں پار بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے نتیجے میں ایک کثیر آبادی کا تبادلہ زیر عمل آیا یہ تقسیم دوقومی نظریے کی بنیاد پر تھی اس لئے صدیوں کی مشترکہ ہنداسلامی تہذیب درہم برہم ہوگئی۔ مسلمان اور ہندوایک دوسرے کے مذہبی تہوار مل جل کر مناتے تھے۔ مصنفہ ''میرے بھی صنم خانے'' میں لکھتی ہیں

''محرم آ گیا رخشندہ اس میں مصروف ہوگئی لکھنو کا محرم جب گلی گلی امام باڑے سجتے تھے اور شربت کی سبیلیں لگائی جاتی تھیں ہندو مسلمان، شیعہ سنی، سب اکٹھے ہو کر حسین مظلوم انسانیت کے سب سے بڑے ہیرو کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے چوبیس گھنٹے ماتمی نقارہ بجتا تھا امام باڑوں میں چراغاں کیا جاتا تھا۔'' (۵)

مسلمان ہولی اور دیوالی کی خوشیوں میں شریک ہوتا تھا دوسری طرف ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ غم حسین میں شریک ہوتا تھا۔ ہندوستان میں قوم پرستی کے عناصر کو فروغ دینے کے لئے پی چو، رخشندہ اور اس کے دوستوں نے نیوا ایرا رسالہ نکالا تھا قومی عناصر کے ساتھ ساتھ فرقہ پرست عناصر بھی فروغ پا رہے تھے حقیقت یہ ہے کہ جس صنم خانے کی روداد یہاں بیان کی گئی ہے اس کے صنم فانی ہیں اور یہ صنم خانہ اب تراشیدگی اور پرستش کے مراحل سے گزر کر شکستگی کے مرحلے تک پہنچ گیا ہے۔ یہ صنم خانے تہذیب کے بھی ہیں اور اخلاقی اقدار کے بھی۔ یہ صنم خانے ملک کے عوام کے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے مظہر بھی ہو سکتے ہیں جب ہر مذہب اور طبقے کے سامنے صرف آزادی کا مقصد تھا لیکن آزادی کے حصول کے بعد کس طرح مشترکہ ہندو مسلم تہذیب انتشار کا شکار ہوئی ملک تقسیم ہوا اور انسان کے خون کی ہولی کھیلی گئی۔ اور اس صنم خانے کا ایک ایک بت توڑ ڈالا گیا یہ صنم خانے اس صنم گر کے بھی ہو سکتے ہیں جس نے سینکڑوں سال کی محبت اور کاوش کے بعد اپنے ذوق جمال کو سامنے رکھ کر نئے صنم تراشے ہوں۔ لیکن تاریخ کے ایک ہی سیلاب میں بہہ کر اس صنم گر کو صنم خانے سے ہی مراجعت کرنی پڑی ہوگی۔ آزادی کے حصول کے لئے تقسیم ملک کے لئے جو جو لڑائیاں ہوئیں ان میں نہ جانے کتنے صنم توڑے گئے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



''اس نے اس صنم خانے کے ایک ایک بت توڑ ڈالے حب الوطنی کے، سچے ہندوستانی کے، محبت اور قرابت کے، بھائی چارگی اور قومی یک جہتی کے، یہ صنم خانے اس صنم تراش کے بھی ہو سکتے ہیں جس نے رات دن کی جوکھم اور محنت سے اپنی پسند کے صنم تراشے ہوں عین اس وقت کسی سبب یا سازش کے تحت اسے صنم خانے سے الوداع کہنا پڑ گیا ہو''۔(۶)

ملک میں آزادی کی خواہش اور اس کے حصول کا فلسفہ اور اس سلسلہ میں ہونے والی جنگیں دراصل شکست اور کامیابی کی علامت ہیں۔ کبھی کہیں سے کوئی امید کی کرن نظر آتی اور کہیں سے نا امیدی۔قرۃ العین حیدر ''میرے بھی صنم خانے'' میں لکھتی ہیں:

''ان کے نوجوان چہروں پر امید اور مایوسی اور بے یقینی اور خود اعتمادی کی پر چھائیاں آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں، یہ نوجوان لوگ ان کے شائع کیے ہوئے رسائل اور مضمونوں کی اپیل ان کی آرگنائز کی ہوئی آرٹ کی نمائش کے ہجوم، ان کی تنظیم کی ہوئی ہڑتالوں اور مظاہروں کی کامیابی ان میں بہت سے قید کی مصیبتیں جھیل چکے تھے۔ بہت سے پولیس کی سنگینوں کا مقابلہ کر چکے تھے''۔(۷)

ناول میں آزادی کی خواہش کے فلسفہ کے علاوہ دنیا کے دیگر فلسفوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، مصنفہ لکھتی ہیں۔

''ہم دیکھتے ہیں کہ گو دنیا میں فاشسٹ کو فی الحال شکست ہوئی ہے لیکن فاشسٹ ذہنیت ہمارے درمیان ہمارے خلاف برسر پیکار ہیں۔ لیکن خدا کی قسم رجعت پسندوں کو شکست ہوئی تمہیں ۹ اگست یاد ہے تمہیں بنگال یاد ہے''۔(۸)

اگر دیکھا جائے تو اس ناول میں قرۃ العین حیدر نے زوال پذیر اودھ کی داستان سنائی ہے۔ جب انگریزوں نے ان کے جاگیردارانہ نظام اور زمیندارانہ نظام کو متاثر کیا اور ان کے اپنے تہذیبی سرمایہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔ وہ طبقہ جو مفلوک الحال تھا اس کے تو اپنے مسائل تھے لیکن ناول میں جس المیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ طبقہ جو بڑا معتمد تھا اور خود انگریزوں کے ساتھ ان کے ہر کام میں شریک ہوتا تھا۔ ناول کے کردار اس گزرے ہوئے زمانہ کو یاد کرتے ہیں۔

''ہائے وہ بھی کیا زمانے تھے جو گزر گئے عباسی خانم کہا کرتی جب غفران منزل غفران منزل تھی کہ رات کا وقت تھا چاندنی چھٹکی ہوئی ہے بیلا پھول رہا ہے بڑے کنور صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خلد آشیانی مہتابی پر بیٹھے پیچواں گڑ گڑاتے ہیں محفل جمی ہے''۔(۹)

اور اس اقتباس میں تو پورے ناول کا وہ فلسفہ نمایاں دکھائی دیتا ہے مصنفہ لکھتی ہیں:

''تہذیب کے مرکزوں اور گھرواروں میں پلنے والے در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے صحراؤں کی طرف نکل گئے امام باڑے ویران اور مسجدیں شکستہ ہوگئیں پرانے خاندان مٹ گئے۔زندگی کی پرانی قدریں خون اور نفرت کی آندھیوں کی بھینٹ ہوگئیں۔ایک عالم تہ و بالا ہو گیا وہ تہذیب ہندوؤں اور مسلمانوں کا وہ معاشرتی اور تمدنی اتحاد وہ روایات، وہ زمانے سب ختم ہوگیا''۔(۱۰)

آزادی جہاں نئی نسل کو پروان چڑھاتی ہے وہیں اس کے حصول کے لئے بہت کچھ تباہ و بالا بھی ہوجاتا ہے۔سینکڑوں انسانوں کی جانیں چلی جاتی ہیں اور یکلخت سب کچھ تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔جہاں تک ناول نگار کے نظریہ فکر کا تعلق ہے''میرے بھی صنم خانے'' کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ پرانی قدروں کی شکست و ریخت پر ماتم کناں ہے۔اور تقسیم ملک کا جو سب سے بڑا اثر تہذیب و تمدن پر ہوا اور ثقافت و کلچر پر پڑا ان تمام تغیرات پر ان کی نظر ہے ہندوستان کی تقسیم ان کے نزدیک ایک بڑا المیہ ہے اور اس کی المناکی کے کرب کو انہوں نے میرے بھی صنم خانے میں فلسفیانہ انداز میں بیان کیا ہے۔انہوں نے آزادی کے بعد ٹوٹنے والے تصورات کو بھی ایک الگ انداز میں پیش کیا ہے۔قرۃ العین حیدر کے مطابق آزادی تو ملی مگر ہم نے اس کا صحیح مصرف فن نہیں لیا بجائے اس کے کہ ہم مل جل کر رہتے خواہ مخواہ فرقہ واریت اور طبقاتی کشمکش کے جال میں الجھ گئے ہیں۔حسن ظہیر قرۃ العین حیدر ''اردو فکشن کے تناظر'' میں لکھتے ہیں:

''دراصل یہ ناول ایک عہد کی تاریخ ہے تہذیب کا ایک مرقع ہے رخشندہ کا تعلق غفران منزل سے ہے غفران منزل ایک زمانے میں اپنی تہذیب اور تمدن کے لئے مشہور تھا مگر زمانے کے تغیرات اور انقلابات نے غفران منزل کو بھی متاثر کیا تھا غفران منزل کے استعارے میں ناول نگار نے مسلمانوں کی اس تہذیب کو پیش کیا ہے جس میں جاہ و جلال، شوکت و شان اور خودی اور خودداری تھی''(۱۱)

کوئی بھی معاشرہ اور تہذیب کسی ایک طبقہ کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس میں ہر طبقے کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے۔وقت کا فلسفہ قرۃ العین حیدر کا مرغوب اور پسندیدہ موضوع ہے۔ان کے اس فلسفہ کا اظہار ان کے سب سے پہلے ناول ''میرے بھی صنم خانے'' سے ہی ہو جاتا ہے وہ لکھتی ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



''ایک کارواں جو آگے بڑھتا ہے، ماضی کا افسوس اور فردا کی فکر اس کی رفتار پر اثر انداز نہیں ہو سکتے نئے دن آتے ہیں اور نئی راتیں آتی ہیں جھکڑ چلتا ہے آندھیاں اٹھتی ہیں کسی کو موت آتی ہے، کسی کو نہیں''۔(۱۲)

''میرے بھی صنم خانے'' میں وہ صرف وقت کا فلسفہ ہی بیان نہیں کرتی بلکہ مستقبل کی طرف انسان کی پیش قدمی کے اشارے بھی بیان کرتی ہیں۔ ناول میں وہ لکھتی ہیں:

''پھر وقت کی پرواز کے ساتھ کوئی نیا معما بن جائے۔ نیا حل تلاش کر لیا جائے گا۔ ہم جہاں ہیں اس جگہ نہ ہوں گے یہ سے آگے نکل جائے گا۔ زندگی کی مقناطیسی رو وقت کے ریگستانوں میں کھو جائے گی۔ یہ چھوٹے چھوٹے معصوم بے بس انسان آنے والے دن اور آنے والی راتیں ان سب کے لئے کیا لائیں گی۔۔۔۔ کوئی نہیں جانتا۔۔۔ ارے میں تو فلسفی بن گئی ہوں بڑی بھاری''۔(۱۳)

قرۃ العین حیدر کے ناول ''میرے بھی صنم خانے'' میں وقت کا ایسا فلسفہ ملتا ہے جس میں یاس انگیزی کے عناصر شامل ہیں۔ وقت کے ہاتھوں تخریب کے منفی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ قرۃ العین حیدر نے اس ناول کی بنیاد نہیں رکھی ہے بلکہ اس تناظر میں ہندوستان کے ایک ایسے مخصوص عہد کے جلوے دکھائے ہیں جن میں یگانگت، یک جہتی، خلوص اور ذہنی و جذباتی وابستگی ہندوستانی تہذیب کی شناخت تصور کی جاتی ہے۔ سید عامر سہیل لکھتے ہیں:

''قرۃ العین حیدر اس حقیقت پر اصرار کرتی ہیں کہ قوموں کا تہذیبی تشخص ان کی تاریخ ہیں اور افراد کا تشخص ان کے ماضی میں پنہاں ہوتا ہے اور ان کے ناولوں میں ماضی اور حال دونوں کا تجزیہ ایک ساتھ ہوتا ہے ان کے یہاں وقت ایک اکائی ہے اور وہ حال اور ماضی دونوں کو اثرات وعوامل سے الگ نہیں کرتیں۔''(۱۴)

انسان وقت کے دھارے میں بہتا جاتا ہے اور نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے اس سفر میں نہ جانے وہ کتنی بستیاں بساتا ہے۔ کبھی ایک بستی میں رہتا ہے اور کبھی دوسری کو گھر بنا لیتا ہے۔ ان میں گھل مل کر ان کا حصہ بن گیا ہے یا اجنبی ہی بنا رہا نہ جانے کن کن کارنوں سے اس نے اپنی زمیں اپنی تہذیب کو چھوڑا اور خس و خاک کی طرح بکھر گیا کتنی جگہ ہجرت، خانہ بدوشی، نقل مکانی جلاوطنی، تقسیم وطن اپنے ماضی سے رشتہ قائم اور ٹوٹا اور وقت کے دھارے میں بہتا چلا گیا یہی فلسفہ ''میرے بھی صنم خانے'' میں موجود ہے۔ قرۃ العین حیدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نے وقت کو ایک کہن سال قصہ گو سے تعبیر کیا ہے کہن سال اس لئے کہ وہ صدیوں سے موجود ہے اور اس نے انسانی نسلوں کو آتے جاتے فطرت کی تسخیر کرتے لیکن خود اپنے جذبات و احساسات سے شکست کھاتے پشت پر زندگی کا بوجھ اٹھا کے مستقبل کی طرف رواں دواں دیکھا ہے۔قرۃ العین حیدر لکھتی ہیں:

''لیکن یہ کہن سال قصہ گو جس کا دوسرا نام وقت ہے بڑا کائیاں ہے''۔(۱۵)

وقت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے وہ بتاتی ہیں کہ وقت کو روکا نہیں جا سکتا وقت کو روکنے کا مطلب فرار ہے اور فرار زندگی سے ،فرار حقیقت سے دراصل انسان کی موت ہے۔قرۃ العین حیدر ''میرے بھی صنم خانے'' میں لکھتی ہیں:

''لیکن بھاگتے ہوئے وقت کی پرواز روک کر خاموش خوبصورت چیزوں کی ایک جھلک دیکھنا بڑا مشکل تھا، وقت کی پرواز روکنے کا مطلب فرار تھا۔فرار۔فرار۔ارے یہ تو بڑا عجیب لفظ ہے،ہم نے سب قسم کے الفاظ اپنے اطمینان کے لئے گھڑ رکھے ہیں جن کا کوئی مطلب نہیں۔کوئی ضرورت نہیں،ان کے ہونے نہ ہونے سے کسی چیز پر اثر نہیں پڑتا وجود کا چکر چلے جا رہا ہے''۔(۱۶)

اسی طرح وہ دنیا کے نظام کے فلسفوں پر بات کرتی ہیں کہ کس طرح حکومتیں بنتی ہیں اور ٹوٹتی ہیں۔ اور وقت صرف مستقبل پر بھروسہ رکھتا ہے۔لکھتی ہیں:

''زندگی کا حسن ختم ہو گیا اس خوبصورت زمین پر ان نیلے پہاڑوں اور نارنگی کے شگوفوں والی دنیا میں خدائے قدوس کی بہت ساری بادشاہتیں بنتی اور بگڑتی آئی ہیں وقت ارجن کے خدا کی طرح اپنے شاہکاروں کو خود تباہ کر دیتا ہے۔مگر وقت ابدیت سے علیحدہ صرف مستقبل پر بھروسہ رکھتا ہے اور مستقبل میں اگر ہر چیز ایسی بن جائے جس کی ہمیں تمنا ہے تو پھر کوئی بات ایسی ہو گی کوئی وجہ ایسی نکل آئے گی جس سے انسانیت کی ساری کوششیں بے کار ہو جائیں گی''۔(۱۷)

قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں وقت کے فلسفہ کا تصور ایک مخصوص انداز میں پیش کیا گیا ہے جس کی رو سے وقت کا سفر ایک دائرے کے اندر ہے۔اسے تاریخ کا مابعد الطبیعاتی سفر بھی کہا گیا ہے۔جس سے مراد ہے کہ گزرا ہوا وقت ہوا کے جھونکے کی طرح چھو کر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ حال میں زندہ رہتا ہے۔وقت کے پیہم بہاؤ کی یہ نقش گری پر اثر بھی ہے اور فکر انگیز بھی روانی حیات اور لمحات وقت کا شعور بتاتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



انسانوں کے قافلے منزلیں طے کرتے ہوئے مسلسل رواں دواں ہیں اور وقت کی رفتار مسلسل ہے یہی وقت کے فلسفہ کی بات ''میرے بھی صنم خانے'' میں نمایاں ہے۔ڈاکٹر ممتاز احمد خان''میرے بھی صنم خانے'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ہم پی چو، رخشندہ،شہلا رحمٰن، کرسٹابل، حفظ احمد، ڈان انور وغیرہ کے حوالے سے بات کریں تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ قرۃالعین حیدر نے ایک طرف جاگیردار طبقے کی کھوکھلی تہذیب پر طنز کیا ہے تو دوسری طرف موت کے تصور، زندگی کی بے ثباتی اور وقت کی ابدیت کو بھی برتا ہے۔اس ناول کے لوگ چاہتے ہیں کہ پرانی روایات میں نئی روایات آن ملیں محبتیں قائم رہیں امن کا راج ہو لیکن وقت نے ہر چیز مسمار کر دی ہے۔''(۱۸)

قرأۃالعین حیدر کے نزدیک وقت کی بڑی اہمیت ہے۔''میرے بھی صنم خانے'' میں وقت کا واضح فلسفہ موجود ہے۔ وقت دراصل زندگی ہی کا دوسرا نام ہے جو لمحہ بہ لمحہ گزرتا چلا جاتا ہے اور کہیں ایک سیکنڈ کے لیے بھی قیام نہیں کرتا۔

وقت کیا ہے؟ اس کائنات میں اس کی ماہیت کب سے ہے، فلسفیوں، سائنس دانوں، ادیبوں، شاعروں نے ہمیشہ اس سوال کے گرد فکر کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ وقت ازل سے ہے اور تا ابد رہے گا۔ گویا وقت ایک زنجیر ہے۔ لمحے، سیکنڈ، گھنٹے، دن، رات، صدیاں اس زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ جس طرح انسانی زندگی قیمتی ہے اسی طرح وقت بھی قیمتی ہے۔ زندگی رواں دواں ہے۔ وقت نہ کبھی کسی کا لحاظ کرتا ہے، نہ کسی کے لیے رُکتا ہے۔قرأۃالعین حیدر''میرے بھی صنم خانے'' میں دم توڑتی ہوئی تہذیب جسے کوئی نہیں بدل سکتا، نہ اس کے عروج کو برقرار رکھنے میں کوئی قدرت رکھتا ہے۔ بادشاہتیں اور حکومتیں بنتی اور بگڑتی ہیں، نہ جہاں کچھ ازل سے ہے اور نہ تا ابد رہے گا لیکن وقت کی ابدیت قائم ہے۔قرأۃالعین حیدر کے ہاں وقت ایک دائرے کے اندر قائم ہے اور اسے تاریخ کا مابعد الطبیعیاتی سفر بھی کہہ سکتے ہیں۔ بے شک کائنات کا سارا نظام وقت ہی کا اسیر ہے اور اسی کے تابع ہو کر کام کرتا ہے۔ یونانی عہد میں وقت کا فلسفہ بیان کیا گیا، یونانی دانش وروں نے وقت کی تصویر بنائی جس میں ایک بوڑھا اڑتا دکھایا گیا ہے۔ اس کے سر پر بال تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں اور صرف پیشانی پر بالوں کی لٹ لٹک رہی ہے۔اس کے ایک ہاتھ میں شیشہ ساعت ہے جس سے لوگوں کی عمریں ناپتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں ایک تیز درانتی ہے جس سے اہلِ دنیا کی کشت اُمید کو کاٹتا ہے۔ پیشانی پر بالوں کی لٹ بڑی معنی خیز بات ہے جس کا مطلب ہے کہ وقت کے پیچھے بھاگنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔مشہور مفکر علامہ اقبال نے بھی زمان و مکان کا تصور پیش کیا۔قاضی قیصر اسلام تصورِ وقت کے متعلق لکھتے ہیں:

''ا۔زماں ایک ذاتِ کل ہے۔مخصوص اوقات ایک زمانِ کلی کے حصے ہیں۔

۲۔یہ لامتناہی ہے۔اس کی نہ تو کوئی ابتدا ہے، نہ ہی کوئی انتہا ہے۔

۳۔اس کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے لیکن ان تمام حصوں کو پھر سے ایک ساتھ متحد کر کے ایک زمانِ کلی کا تصور قائم نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔یہ مسلسل ہے اور وقت کے حصوں کے مابین کوئی وقفہ یا خلا موجود ہیں۔

۵۔زمان کا محض ایک ہی بعد ہے یہ مسلسل ایک خطِ مستقیم میں پھیلتا ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کا نام پاتا ہے۔''(۱۹)

زمانہ ازل سے جاری ہے۔اس میں کتنے عکس ہیں۔نفرتوں، محبتوں، جنگوں، تخریبوں کے جو دیکھے جاسکتے ہیں۔حقیقت میں وقت کیا ہے اس کی تلاش جاری ہے۔نت نئے تصورات آ رہے ہیں لیکن ابھی تک ان میں کئی معاملات حل طلب ہیں۔گویا یہ ایک ایسی پہیلی ہے جو کسی معمے سے کم نہیں اور اس راز کو ابھی تک کوئی نہیں پا سکا۔مشرق، مغرب کے کئی فلاسفر نے وقت یا زمان کے متعلق بہت کچھ کہا لیکن ابھی تک یہ موضوع تشنہ ہے جو سیدھی دھار ہے اور فریب خیال کے سوا کچھ نہیں۔جتنا اس کی گتھیوں کو سلجھاتے جاؤ گے گویا اتنے ہی الجھتے جاؤ گے۔

''میرے بھی صنم خانے'' میں بیان کیے گئے فلسفے کے ڈانڈے یونانی مفکرین کے ''فلسفہ وقت'' اور علامہ اقبال کے تصورِ زمان و مکان سے ملتے ہیں۔سیل زمانہ رواں دواں ہے۔نہ وہ کسی کے لیے رُکتا ہے اور نہ کسی کا انتظار کرتا ہے۔قرۃ العین حیدر نے وقت کو کہن سال قصہ گو کہا ہے اور وقت کو روکنا سے مراد اس سے فرار ہے۔فرار نہ زندگی سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ وقت سے، جو لوگ ان سے فرار پانا چاہتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔''میرے بھی صنم خانے'' میں قرۃ العین حیدر بتاتی ہیں کہیں وقت کی پرواز ہے۔کس کو قابو ہے ہم آج جہاں ہیں کل اس جگہ نہیں ہوں گے۔یہ سمے ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔وقت تو ایک کارواں کی مانند ہے جو نہ ماضی کا افسوس ساتھ لے کر چلتا ہے اور نہ ہی اسے مستقبل کی فکر ہے۔وہ تو ایک جھکڑ بنا پھرتا ہے جو سب کچھ اپنے ساتھ بہائے لیے جا رہا ہے جو صدیوں سے ہے اور آنے والی نسلوں کو آتے جاتے فطرت کی تسخیر کرتے مگر اپنے جذبات و احساسات سے شکست کھاتے پشت پر زندگی کا بوجھ اٹھا کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مستقبل کی طرف رواں دواں ہے۔ یونانی مفکرین میں مشہور تھا کہ وقت روئی کے گالوں کی مانند ہے۔علم و حکمت کے چرخے میں کات کر اس کے قیمتی پارچہ جات بنالو، ورنہ جہالت کی آندھیاں اسے اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیں گی۔

''میرے بھی صنم خانے'' میں قرۃ العین حیدر نے ایک عہد کی تاریخ بیان کی ہے جو وقت کے دھارے میں بہتے بہاتے اس وقت کی تہذیب کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ زمانے کے تغیرات اور انقلابات ہر چیز پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ تغیرات زمانہ دراصل وقت ہی کی ہیر پھیر ہے۔غفران منزل میں بسنے والے مسلمان اور ان کی تہذیب دراصل مسلمانوں کے عروج و زوال، شان و شوکت اور جاہ وحشمت کی طرف اشارہ ہے۔جنھیں وقت نے کئی نشیب وفراز عطا کیے۔انسان کی زندگی میں سوائے یادوں کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور فرد لاشعوری طور پر ماضی و مستقبل کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔کبھی اُسے شعور کی رو سے آگہی حاصل ہوتی ہے تو کبھی ماضی کی یادوں سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔قرۃ العین حیدر''میرے بھی صنم خانے'' میں گزرے ہوئے وقت کی داستان سناتی ہیں کہ کس طرح یہ ایک کارواں کی مانند ہے۔ جو ماضی کے فکر اور مستقبل کے خدشوں سے آزاد ہے۔ زندگی جہد مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں، جس نے آگے بڑھنا ہے وقت کا ساتھ دے گا تو کامیاب ہوگا۔ وہ فلسفہ وقت کے ساتھ ساتھ فلسفہ حیات کو بھی بیان کرتی ہیں۔ زندگی میں کبھی خوشیوں کا سامنا ہے تو کہیں خواہشوں سے محرومی کا رونا، گویا زندگی کی کشتی وقت کے دریا میں بہتی چلی جاتی ہے۔اس میں سوار اترے جاتے ہیں اور نئے سوار شامل ہوتے جاتے ہیں۔صدیوں سے یہ سلسلہ جاری ہے اور کہاں اس کا اختتام ہو۔کوئی نہیں جانتا کیونکہ زندگی تبدیلی اور انقلابات ہی کا دوسرا نام ہے۔ جو لمحہ بہ لمحہ ردوبدل کا شکار ہوتی رہتی ہیں۔

☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## حوالہ جات


۱۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵، ص: ۴۶

۲۔ رضی عابدی، تین ناول نگار، لاہور: سانجھ، ۲۰۱۰، ص: ۱۵

۳۔ قرۃ العین حیدر، میرے بھی صنم خانے، لاہور: مکتبہ جدید (طبع اول) ۱۹۴۹، ص: ۳۶

۴۔ نیلم فرزانہ، اردو ادب کی خواتین ناول نگار، لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۲، ص: ۱۲۳

۵۔ قرۃ العین حیدر، میرے بھی صنم خانے، ص: ۳۷۱

۶۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان، مرتب، قرۃ العین حیدر، اردو فکشن کے تناظر میں، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۹، ص: ۱۹

۷۔ قرۃ العین حیدر، میرے بھی صنم خانے، ص: ۳۳

۸۔ ایضاً، ص: ۲۵

۹۔ ایضاً، ص: ۶۷

۱۰۔ ایضاً، ص: ۲۹۹

۱۱۔ حسن ظہیر، مرتب، قرۃ العین حیدر، اردو فکشن کے تناظر میں، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۹، ص: ۳۷

۱۲۔ قرۃ العین حیدر، میرے بھی صنم خانے، ص: ۲۵، ۲۶

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۸۱، ۱۸۲

۱۴۔ عامر سہیل، سید، مرتب قرۃ العین حیدر: خصوصی مطالعہ، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۳، ص: ۵۱۶

۱۵۔ قرۃ العین حیدر، میرے بھی صنم خانے، ص: ۱۱۳

۱۶۔ ایضاً: ص: ۱۸۴، ۱۸۵

۱۷۔ ایضاً: ص: ۱۹۳

۱۸۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، کراچی: ویلکم بک رپورٹ، اردو بازار، ۱۹۹۳، ص: ۶۲، ۶۳

۱۹۔ قیصر الاسلام، قاضی، فلسفے کے بنیادی مسائل، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۶، ص: ۶


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com